اردو، ہندی اور ہندوستانیت

ڈاکٹر نریش

169، سیکٹر۔17، پنچکولہ۔134109

جب میں ہندوستان میں جذباتی ہم آہنگی کی اہمیت پر غور کرتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہندی والوں نے اردو کو نظرانداز کرنے میں بہت بڑی غلطی کی ہے۔ نظرانداز حقیقتاً ان سے کیا بھی نہیں جاسکا ہے۔ دراصل اردو ہمارے لاشعور میں گہرے اُتر چکی ہے اور ہم اندر سے اس زبان کے ساتھ جڑ چکے ہیں۔ ان کے لیے اردو سے منہ پھیرنے کی وجہ یہ تھی کہ اردو بجائے ہندوستانی تہذیب وتمدن کے ایران اور عرب کے تہذیب وتمدن کے زیادہ قریب تھی اور یہ ان کو پسند نہیں تھا، قابل قبول نہیں تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ سائنس کی لگاتار ہورہی ترقی نے ہماری زندگی کا ڈھانچہ کچھ ایسا بنا دیا ہے کہ ہم اپنی شخصیت کو حدود کے اندر قید کرنے لگے ہیں۔ ہمارا سماج بھی اپنے گرد لکشمن ریکھائیں کھینچ کر ان تک محدود رہنے کا عادی ہونے لگا ہے۔ اردو اور ہندی، دونوں زبانوں کے مفکرین، ادبا، نقاد، علما، سب کے سب اس لکشمن ریکھا کے اِس پار یا اُس پار رہے ہیں۔ اگرچہ اردو بھی ہندی کی طرح اسی ملک میں پیدا ہوئی۔ یہیں کے ہاٹ بازاروں، گلی کوچوں، کھیت کھلیانوں میں پروان چڑھی، بالغ ومہذب ہوکر ملک کے پایہ تخت کی زینت بنی تھی، لیکن ہم اسے اپنانے سے قاصر رہے۔ اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دے کر ہندوؤں کا اس سے صرفِ نظر کرنا اگرچہ ایک تاریخی حقیقت ہے، لیکن اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو مسلمان بھی زمانۂ قدیم سے ہندوستانی تہذیب وتمدن کے ساتھ وابستگی کی شعوری کوششیں کرتے رہے ہیں۔

خودرسول پاک حضرت محمدؐ نے ہندوستان کی طرف رُخ کرکے فرمایا تھا کہ مجھے اس طرف سے خدا کی خوشبو آرہی ہے۔[1] جب ہی سے مسلمان مسلسل ہندوستان کی طرف کھنچتے چلے آتے رہے، کبھی تجارت کی غرض سے اور کبھی لوٹ پاٹ کی غرض سے۔ کئی بار ان کو اس سونے کی چڑیا کے جسم سے بوٹیاں نوچ لینے میں کامیابی بھی حاصل ہوئی، لیکن ایک بار وہ ایسے حملہ آور کی صورت میں یہاں آئے، جس کو لوٹ کر نہیں جانا تھا۔ لہٰذا وہ لگاتار جنگ کرتے رہے اور منہ کی کھاتے رہے لیکن کاتب تقریر نے کچھ اور ہی لکھ رکھا تھا۔ بالآخر وہ فتح یاب ہوئے اور یہیں پر آباد ہوگئے۔ ہندوستان کو سمجھنے کا ان کا اشتیاق اور بھی قوی ہوگیا۔ فارسی زبان وہ اپنے ہمراہ لائے تھے اس لیے مسلمان قلمکاروں نے مسلمانوں کو ہندوستانیت سے واقف کرانے کے لیے فارسی زبان کو ذریعہ بنایا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت سے ہندوؤں نے بھی زبان فارسی کو ذریعۂ اظہار بناکر ان کو ہندوستانی تہذیب وتمدن سے روشناس کرانے کی کوششیں کیں۔ فارسی زبان میں تاریخ ہندوستان ان کو فراہم کرائی۔[2] ''بشن پُران'' (وشنو پُران) جیسی کتابیں تصنیف کرکے ان پر ہندوستانی فلسفۂ روحانیت کے در وا کیے، لیکن ہندو مصنّفین کا مقصد سمجھنا نہیں، سمجھانا تھا۔ مسلمان مصنّفین نے خود سمجھ کر دیگر مسلمانوں کو سمجھانے کی جو سعی کی ہے، وہ قابل قدر بھی ہے اور قابل ستائش بھی۔ ایسے مصنّفین کی فہرست کافی طویل ہے، لیکن ان ستاروں میں سب سے زیادہ چمکدار ستارہ داراشکوہ ہے۔

داراشکوہ نے ہندو فلسفے کے اصل منبع کو اپنی دسترس میں لے لیا تھا اور اس کے مستند نسخوں کا فارسی میں ترجمہ کرکے ہندو مذہب کے اعلیٰ وافضل اصولوں کو دلکش انداز میں مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا۔[3] اتنا ہی نہیں، داراشکوہ نے ۵۲ اپنشدوں کا فارسی نثر میں ترجمہ بھی کیا۔ بقول قانونگو ''خدا کی یکتائی یا توحید کے عقیدے کی مکمل تشریح کے بارے میں اس کی یہ اَن بُجھ پیاس ہی تھی جو بالآخر اس کو اس کے بنیادی سرچشمہ یعنی اُپنشدوں تک لے گئی۔[4] اس کی مشہور کتاب ''مجمع البحرین'' ہے۔[5] اس کتاب میں اس نے عالمانہ طریقے سے ہندو مذہب اور اسلام کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں نظامِ کائنات کے ان بنیادی اصولوں کو جمع کیا گیا ہے جو براہمن دھرم اور اسلام دونوں میں یکساں ہیں۔

داراشکوہ کے بعد آزاد بلگرامی دوسرا وہ اہم قلمکار ہے جس نے ہندوستانی ادب کو سمجھنے سمجھانے کی جتنی کامیاب کوشش کی ہے، اتنی شاید ہی فارسی کے کسی دوسرے قلمکار نے کی ہو۔ بقول پدم سنگھ شرما ''میر غلام علی

آزاد بلگرامی کے تذکرہ ''سروِ آزاد'' میں ایک باب بلگرام کے ہندی شعرا سے متعلق ہے، جس میں بلگرام کے مسلمان ہندی شعرا کا نمونۂ کلام شامل ہے۔ آزاد بلگرامی عربی فارسی کے جید عالم تھے اور شاعر تھے۔ انھوں نے ہندی کے ساتھ اپنی محبت کا ذکر فخریہ انداز میں کیا ہے۔ کہیں کہیں کسی نظم پر انھوں نے جو نوٹ دیے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہندی زبان پر ان کی کیسی پکڑ تھی۔ مثال کے طور پر انھوں نے ''پورن رس'' کے مصنف سید حرمت اللہ اور ''کویتا وچار'' کے مصنف جتا منی کے حوالے سے ''انتیا النکار'' کی جو تشریح زبانِ فارسی میں رقم کی ہے وہ نہایت سلجھی ہوئی تشریح ہے۔ ہندی کے نورتنوں پر بھی انھوں نے اچھی خاصی روشنی ڈالی ہے۔''[۶]

ادب کے حلقے میں کام کرنے کے علاوہ مسلمان قلمکاروں نے دیگر حلقوں میں بھی اپنے قلم کے جوہر دکھائے۔ مثلاً نظام الدین عشرت سیالکوٹی نے منظوم ''نادر نامہ'' لکھا، جس میں اس نے ہندوستانی طرزِ حیات پر روشنی ڈالی۔ مسلمان ادیبوں نے سکھ گوروصاحبان اور ان کی جنگی کارناموں کے بارے میں لکھا۔ دستیاب فارسی ادب میں متعدد ایسی تخلیقات موجود ہیں، جن میں ہندوستانی سنگیت کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ باوجود اس کے کہ اسلام نے سنگیت کو ممنوع قرار دیا ہوا ہے، سنگیت کے تئیں ان مسلمان قلمکاروں کی رغبت نے ان کو دھرم کی یہ لکشمن ریکھا پار کرنے پر آمادہ کیا اور سنگیت پر متعدد تصنیفات رقم کرنے کا حوصلہ عطا کیا۔[۷]

ہندوستان کے حوالے سے مسلمان ادیبوں کا ذکر میر عبدالواحد کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گا۔ میر صاحب کی فارسی تصنیف ''حقائق ہندی'' کو آچاریہ ہزاری پرساد دوویدی نے ''ہندی دھرم پد'' اور ''وشنو پد گانو'' میں عشقِ مجازی سے متعلق مضامین کو عشقِ حقیقی کے طور پر سمجھنے کی کنجی کہا ہے۔[۸] اس دور کے ہندی گانوں میں مشتمل الفاظ کے پوشیدہ معانی کو جس چابک دستی کے ساتھ میر صاحب نے بیان کیا ہے، وہ قابل ستائش ہے۔ حالانکہ صوفی شعرا نے ہندوستانی تہذیب وتمدن سے اپنا جذباتی رشتہ قائم رکھا، لیکن ان کی لفظیات پر فارسیت غالب رہی۔ اس لفظیات میں موجود ہندوستانیت کی وضاحت میر عبدالواحد نے کی۔ پنڈت رام پوجن تیواری کو اعتراف ہے کہ ''اگرچہ ان کی شاعری میں فارسی کے وہی زلف، ساقی، لب، خم وغیرہ موجود رہے، لیکن انھوں نے اس مخصوص لفظیات کی روحانی تفسیر بھی پیش کی ہے۔ مثلاً انھوں نے ''شراب'' کو دیدارِ محبوب سے پیدا ہونے والا ''عالمِ بےخودی'' اور ''پیانہ'' کو کائنات کا ایک ایک ذرّہ قرار دیا ہے۔''[۹] آچاریہ ہزاری پرساد دوویدی کا کہنا ہے کہ عبدالواحد کی وضاحتیں بہت صاف اور مکمل ہیں۔ مثال کے طور پر انھوں نے ''چشم'' کے تین روحانی معانی بتائے ہیں— اوّل یہ کہ چشم اشارہ ہے اس نام کی طرف جو دورخی دنیا کا مظہر ہے اور متضاد اوصاف کا اتحاد ہے۔ دوم، اشارہ بصیر (خدا) کی طرف ہے۔ سوم، اشارہ مردِ مومن کے علم وفضل اور اس سے فیضیاب ہونے والی آنکھ کی طرف ہے۔[۱۰]

فارسی کے بعد اردو کا دور شروع ہوا۔ ہندوستانیت سے ہم آہنگ ہونے کا شوق چونکہ ہنوز باقی تھا اس لیے اردو کے مسلمان شعرا و ادبا نے فارسی کے شعرا و ادبا کی تقلید میں اس کاوش کو جاری رکھا۔ ہندوستانی تلمیحات وتشبیہات ان کے کلام میں جگہ پانے لگیں اور یہاں کی مٹّی کی مہک ان کے شعروں میں مدغم ہونے لگی۔

میر نے کہا:

ہو کے اس کے شربتی لب سے جدا
اک بتاسہ سا گھلا جاتا ہے دل

اور مصحفی نے کہا:

ہر اشک کو مری مژگاں سے یہ علاقہ ہے
کہ جیوں ستار کی کھونٹی سے تار باندھ دیا

آتش نے بھی تشبیہات کے لیے ہندوستان کی دھرتی کو ٹٹولا اور کہا:

افشری کا بوسہ بازی میں مجھے ملتا ہے لطف
قند کی ڈلیاں ہیں لب اور خالِ لب ہیں فالسے

اور پھر جب یہ کاوش رواج میں بدل گئی تو مسلمان شعرا کی رسائی ہندوستانیت کی روح تک ہوگئی:

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھوں پہ لائی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل
جاکے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ عمل
راکھیاں لے کے سلونوں پر برہمن نکلیں
تار بارش کا تو ٹوٹے کسی ساعت کسی پل

افسوس کہ یہ روش تادیر قائم نہ رہ سکی اور اردو شاعری فارسی کی راہ پر چل نکلی اور مسلسل نئی نئی منزلیں تلاش کرتی رہی۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمان شعرا و ادبا نے ہندوستانی تہذیب وتمدن کو سمجھنے سمجھانے کی خوب خوب کوششیں کی ہیں اور ہندوستان کی مٹّی کی بوباس کو اپنی تخلیقات میں رچانے بسانے کی سعی بھی کی ہے۔ بھرتری ہری کے اشلوکوں، پرانوں، شریمد بھاگوت، رامائن، کمارسمبھ، شکنتلا وغیرہ کے

اردو تراجم اور ممٹ، آنند وردھن، لولٹ وغیرہ کی تشریحات ہمارے اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔

فارسی اور اردو ہی نہیں، مسلمان قلمکاروں نے ہندی میں بھی ہندوستانیت کو رچانے بسانے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔ رسکھان جیسے مسلمان شاعر نے کرشن ہی کو اپنا معبود بنا کران کے حوالے سے ایسی بھگتی شاعری کی ہے کہ ان کے مسلمان ہونے پر شک ہونے لگتا ہے۔ ہندی میں ایسی کاوش کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان جب مستقل طور پر ہندوستان میں آباد ہوگئے اور ماں کے دودھ کے ساتھ ہندوستانی روایات کو جذب کرنے لگے تو انھوں نے اظہار کے لیے فارسی کے بجائے ہندوستانی زبانوں کا انتخاب کیا۔ جو لوگ زبان کی معجز نمائی کے ذریعے اپنی علمیت کی دھاک جمانا چاہتے تھے، ان کا دامن تو فارسی تلمیحات وتشبیہات کے لیے پھیلا رہا، لیکن جو لوگ دل کی بات کرنا چاہتے تھے، ان کی شاعری دھرتی کی اُپج بن گئی۔ ایسے قلمکاروں نے اظہار کے لیے موضوعات فارسی سے مستعار نہیں لیے بلکہ ہندوستانی طرزِ حیات میں سے اخذ کیے اور اپنی تخلیقی صلاحیت کے جوہر دکھائے۔

ہندی شاعری کی تاریخ میں عبدالرحمٰن، امیر خسرو، ملک محمد جائسی، رحیم، قطبن، منجھن، رسکھان جیسے شعرا کے ناموں سے ہندی دنیا بخوبی واقف ہے۔ کئی مؤرخ تو عبدالرحمٰن اور امیر خسرو کو ہندی شاعری کے موجد قرار دے چکے ہیں۔ جائسی کا ''پدماوت'' ہندی ادب کا اعلیٰ درجے کا فن پارہ ہے۔ تاہم اس سلسلے میں ایسے ہی چند ناموں تک گفتگو کو محدود کرنا مسلمانوں کے ساتھ ہی نہیں، ہندی ادب کے ساتھ بھی نا انصافی کرنا ہوگا۔ اس لیے ہم یہاں پر متذکرہ شعرا کی نہیں بلکہ ان شعرا کی بات کرنا چاہتے ہیں، جن کو ہندی ادب کے مؤرخین نے وہ مقام عطا نہیں کیا، جس کے وہ بہرحال حقدار ہیں۔ کم توجہی کا شکار ہوئے قلمکاروں کی ادبی خدمات کا احاطہ کیا جائے تو ہمیں ہندوستانیات کا ایک ایسا دھارا رواں دواں نظر آئے گا، جو ابتدائی دور سے لے کر دورِ جدید تک بہتا آرہا ہے۔

۱۴۸۶ء میں مکّہ میں پیدا ہوئے شمس العشاق شاہ میراں جی عہدِ طفلی ہی میں ہندوستان آگئے تھے۔ انھوں نے ہندی ادب کو پانچ تصانیف عطا کی ہیں۔ یہ ہیں— خوش نامہ، خوش نغز، شہادت الحقیقت، شرح مرغوب القلوب اور سب رس۔ خوش نامہ میں جہاں ایک طرف عشقِ مجازی کے ذریعے عشقِ حقیقی کے دقیق اسرار کو واضح کیا گیا ہے وہاں خوش نغز میں صوفیانہ ریاضت کے چار مراحل یعنی توکّل، فکر، محبت اور ذکر کو لے کر تصوف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کے کلام کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجیے:

تجھ بن اور نہ کوئی تا خالق دوجا
جے تیرا ہوئے کرم تو ٹوٹے سبھی بھرم
اس کارن تجھ کو دھیاؤں اور تیرا نام لوں
تجھ سارتا کون جگو اور پوری صفت بکھانے

اس سلسلے میں دوسرے اہم شاعر شاہ برکت اللہ پریمی کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ وہ ۱۶۸۰ء میں بمقام سری نگر پیدا ہوئے تھے۔ اس کا ذکر انھوں نے اپنی تصنیف ''پریم پرکاش'' میں کیا ہے:

ہم باسی سری نگر کے آئے بسے سب چھور
مارہیر سے نگر میں جہاں ساہ نہیں چور

ان کی اس تصنیف میں ایسی نظمیں شامل ہیں، جن میں بھگتی اور پریم کو افضلیت حاصل ہے اور جن کو بلا تامل عارفانہ نظمیں کہا جاسکتا ہے۔ ہندی شاعری کا یہ مجموعہ فارسی رسم الخط میں تیار کیا گیا تھا۔ ۲۵۷ برس بعد، ۱۹۳۴ء میں لکشمی دھر شاستری نے اسے دیوناگری میں منتقل کیا۔ پریمی کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی شاعری آفاقی محبت کا پیغام دیتی ہے اور ہندوستانیت کی روح ان کے کلام میں جا بہ جا بیدار نظر آتی ہے۔ چند نمونے ملاحظہ کیجیے:

میں چکوی وا سندھو کی جہاں نہ سورج چند
رات دوس نہیں ہوت ہیں نہ دُکھ نائیں انند

من بھورا بھنات نت تم امبج مُکھ کاج
جیوں پتنگ پردیپ سوں جات نہ کبھوں بھاج

ہوں چاہوں پی پکڑوں برہا پکرا جائے
دیر بہوٹی جیسی سدا سمٹ سمٹ رہ جائے

اُت ساون اِت نین ہیں اُت گرجن ات آہ
اُتہی ہوک اِت کوک ہے سکو تو یہو بچاہ

شاعر صوفی شاہ نے ہندی ادب میں گراں قدر اضافہ ہی نہیں کیا بلکہ رسول پاک کو کرشن کے روپ میں پیش کرکے آپ کو مجسم نور ثابت کیا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے کی قابل ستائش سعی کی۔ سید مرتضیٰ نے بنگلہ اور ہندی کو قریب لانے کی کوشش کی تو قاضی چاند نے کرشن کنہیا کہ جمال پر فریفتہ ہو کران کی مرلی کی تان کو اپنی شاعری میں سمونے کی سعی کی۔ ملا داؤد نے ہندی ادب کو ''چنداین'' جیسی

بلند پایہ تصنیف عطا کی تو رزق اللہ نے اپنی متفرق شعری تخلیقات سے ایوانِ ہندی کی رونق دوبالا کی۔ حفیظ اللہ نے متعدد تخلیقات کے ذریعے ہندی ادب کو مزید امارت بخشی۔[11]

نظیرؔ اکبر آبادی کی شاعری کو غالباً اس لیے ہندی ادب میں شامل نہیں کیا گیا کیونکہ وہ فارسی رسم الخط میں دستیاب تھی، لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ نظیرؔ نے ہندی زبان وادب کی جو خدمت کی ہے، اسے نظر انداز کرنا کسی لحاظ سے بھی مناسب نہیں ہے۔ نظیرؔ نے مختلف دیوی دیوتاؤں، اوتاروں، ہندوستانی پیشواؤں، موسموں، تہواروں اور مناظر پر نظمیں کہہ کر ہندی ادب کو ہمہ جہت ترقی کرنے کا موقع فراہم کرایا ہے۔ نظیرؔ نے گنگا نہا کر نماز پڑھی اور روزہ رکھ کر آرتی کی۔ شری کرشن سے متعلق ان کی شاعری کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجیے:

تعریف کروں اب میں کیا کیا اس مرلی اُدھر دھریّا کی
نت سیوا کنج پھریّا کی اور بن بن گئو چریّا کی
گوپال بہاری بنواری دُکھ ہارن مہر کریّا کی
گردھاری سندر شیام ورن اور ہلدھر جو کے بھیّا کی[12]

پاربتی سے متعلق ایک نظم میں نظیرؔ کہتے ہیں:

اس راجہ ہماچل کے گھر میں اک بالی سمندر بیٹی تھی
مکھ اس کا چندر گگن کا تھا نام اس کا گوراں پاربتی[13]

دورِ حاضری میں بھی متعدد مسلمان شعرا ہندی میں شاعری کر رہے ہیں، لیکن ان کی تخلیقات کا رسمِ خط فارسی ہونے کی وجہ سے ہندی ناقدین کی نظر ان کے کلام تک نہیں پہنچ رہی ہے۔ پاکستان میں بھی کتنے ہی شعرا ہندی میں شعر کہہ رہے ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ کیجیے:

جاگ سہیلی
جاگ سنبھل کر، آنکھیں مل کر
دیکھ وہ اُٹھ کر گیا ندی پر
ساجن تیرا
نیند کی ماتی اپنی سدھ لے[14]

سوامی سمجھے گھونگھٹ پیچھے ہوگا چاند سا مکھڑا
گھونگھٹ کے پٹ کھلے تو نکلا مرجھایا سا مکھڑا

نئی نویلی کا یہ سواگت نند نہ ساس نہ دیور
میکے سے کیا لائی ہے کھوٹ کے پیلے زیور[15]

اندھیارے کا درپن ٹوٹا پورب نے پَو برسائی
انگارے کا جھومر پہنے اوشا نے لی انگڑائی
جنگل مہکے پنچھی چہکے لہکی بہکی پروائی[14]

قابلِ غور یہ ہے کہ ان شعرا نے ہندوستانیت کے تئیں بیدار ہو کر اسلام اور ہندو دھرم کے درمیانی فاصلے کو کم کرنے کی جو کوششیں کی ہیں وہ بہرحال قابلِ داد ہیں۔ ان شعرا نے فنّی کمالات کے مظاہرے سے آگے نکل کر اپنے قارئین کو عالمی اخوت کا درس دیا ہے۔ علاوہ ازیں ہندی کے مسلمان شعرا نے عارفانہ شاعری کے لیے اگرچہ تلمیحات وتشبیہات فارسی سے مستعار لی ہیں، لیکن ان کے پاؤں ہند کی دھرتی پر ہی جمے رہے ہیں۔ اس سے مشرق اور مغربی تہذیبوں کو قریب لانے میں بھی مدد ملی ہی۔ دوسری زبانوں کے نئے نئے الفاظ کے ایوانِ ہندی میں داخل ہونے سے بطور زبان ہندی کو امارت حاصل ہوئی ہے اور شعری اسالیب کو تقویت میسّر ہوئی ہے۔ ان شعرا کی کاوشوں نے تنگ نظری کے میل کو پریم جل سے دھویا ہے اور شاعری کی نزاکتوں سے قاری کے دل و ذہن پر چندن کا لیپ کیا ہے۔

حواشی

۱۔ سید سلیمان ندوی: بھارت اور عرب کے سمبندھ، ص:۳۰
۲۔ نارائن کول نے ''احوالِ بیاضِ کشمیر'' کے عنوان سے تاریخ لکھی۔
۳۔ قانونگو: داراشکوہ، ص:۶۸۔۶۷
۴۔ ایضاً، ص:۷۲
۵۔ بکرم جیت سنگھ حسرت، داراشکوہ، لائف اینڈ ورکس، ص:۲۱۶
۶۔ پدم سنگھ شرما: ہندی اردو ہندوستانی، ص:۱۴۷
۷۔ کرپال سنگھ، کیٹالاگ خالصہ کالج امرتسر
۸۔ ہزاری پرساد دویدی، وچار پرواہ، ص:۶۶
۹۔ رام پوجن تیواری، صوفی مت، سادھنا اور ساہتیہ، ص:۵۲۴
۱۰۔ ہزاری پرساد دویدی، وچار پرواہ، ص:۶۶
۱۱۔ ہزار، نوین سنگرہ، شٹ رتو، کاویہ سنگرہ، پریم ترنگنی وغیرہ
۱۲۔ نظیر اکبر آبادی: کلیات، ص:۷۵۲
۱۳۔ ایضاً، ص:۷۷۹
۱۴۔ قتیل شفائی، گجر، ص:۱۷
۱۵۔ ایضاً، ص:۸
۱۶۔ احمد ندیم قاسمی، جلال و جمال: ص:۹۴

○○